بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جب کبھی بڑے پیمانہ پر ملک میں کوئی فساد ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اس میں عظیم جانی و مالی نقصان پہونچتا ہے تو اُن میں ایک حرکت سی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مسائل و معاملات پر سوچنا شروع کر دیتے ہیں، اُس کا نتیجہ بعض اوقات کانفرنس یا کنونشن کے انعقاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ متعدد کنونشن پہلے بھی ہو چکے ہیں اور اب پھر ایک مشاورتی اجتماع ۸ ر ۹ ر اگست کو ڈاکٹر سید محمود کی دعوت پر لکھنؤ میں ہو رہا ہے (ان سطروں کی اشاعت تک اُس کی کارروائی اخباروں میں آچکی ہوگی) اور اس کے بعد اکتوبر میں ایک مشترکہ جمہوری کنونشن جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر غالباً دلی میں منعقد ہوگا، ان اجتماعات کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور انہیں اپنے معاملات و مسائل پر غور کرنے کی غرض سے سر جوڑ کر مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن افسوس ہے بات صرف یہیں تک محدود رہتی ہے۔ اور مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی میں اصلاح و تعمیر کا کوئی قدم ایسا نہیں اٹھتا جو اس پر دلالت کرے کہ اُن کا امروز روزِ گذشتہ سے بہتر ہے یا اُن کے فردا کے بہتر ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے، آخر یہ کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ شدید قسم کے حالات کے پیدا ہو جانے پر کسی مشاورتی اجتماع یا کنونشن کے انعقاد کا خیال پیدا ہونا ہی بذاتِ خود اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں میں اس ملک کی ایک عظیم اقلیت کی حیثیت سے ابھی تک اپنے مسائل اور امور کا صحیح اور سنجیدہ شعور پیدا نہیں ہوا ہے اگر انہیں اس کا شعور و ادراک ہوتا تو یہ اجتماع آج نہیں ملک کی تقسیم کے فوراً بعد ہونا چاہئے تھا اور صرف فسادات نہیں بلکہ انقلاب کے تمام عوامل و اسباب اور اس کے ہمہ گیر اثرات و نتائج کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرنا چاہئے تھا کہ ملک کے نئے نقشہ میں وہ کس طرح باعزت زندگی بسر کرنے کا ساز و سامان کر سکتے ہیں، جو قومیں بیدار مغز اور دور بین ہوتی ہیں وہ سیلاب کی آمد سے پہلے اس کا اندازہ کر لیتی اور اُس سے محفوظ

رہنے کی تدابیر پر غور کرلیتی ہیں، جنگ میں اُسی ملک کی جیت ہوتی ہے جو امن کے زمانہ میں جنگ سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اس کی تیاری مکمل طور پر کرلیتا ہے اور جو دوسروں کے وعدہ وعید اور اُن کے قول و قرار پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ حالات کا تجزیہ کرکے خود ایک فیصلہ کرتا ہے اور عزم و ہمت اور استقلال کے ساتھ اُس فیصلہ کو عملی شکل دیتا ہے۔

مسلمانوں میں سرسید کی طرح اگر صحیح لیڈرشپ ہوتی تو جس دن ملک تقسیم ہوا تھا اُسی روز غور و فکر اور حالات واقعات کے تجزیاتی مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچتی کہ (۱) ملک دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم ہوا ہے اور یہ تقسیم اُن تمام تلخیوں اور بدمزگیوں کا نتیجہ ہے جو اس سلسلہ میں سالہا سال مسلسل پیش آتی رہی ہیں (۲) اس تقسیم کے نتیجہ میں حکومت کے مسلمان بڑے بڑے عہدہ دار ۹۸ فی صدی اور چھوٹے عہدہ دار ۹۰ فی صدی پاکستان منتقل ہو گئے ہیں اور یہاں بھارت میں ان لوگوں سے میدان بالکل صاف ہو گیا ہے (۳) حکومت کا دستور اگرچہ سیکولر جمہوریہ ہے لیکن تیس کروڑ انسانوں کے دل سالہا سال کی تلخیوں اور بدمزگیوں کے زخم سے محض ایک دستوری اعلان کر دینے سے یک بیک پاک و صاف نہیں ہو سکتے؛ حالات کی اس خاص نوعیت کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد اس دور کا سرسید اُسی لائن پر کام کرتا جس پر ۱۸۵۷ء کے سرسید نے کام کیا تھا یعنی ایک طرف وہ اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ اُن تلخیوں اور غلط فہمیوں کو مٹانے کی کوشش کرتا جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں، اس سلسلہ میں وہ انگریزی میں لٹریچر شائع کرتا، ہندی میں کرتا، اُردو اور ملک کی دوسری زبانوں میں کرتا، پورے ملک کا دورہ کرتا، مسلمانوں کی ہمت الگ بندھاتا اور ہندوؤں کے مجمعوں میں اور اُن کے خاص جلسوں میں دندانہ پہونچکر الگ تقریریں کرتا، وہ عید بقرعید پر اپنے ہاں ہندوؤں کو بلاتا اور ہولی دیوالی کے موقع پر وہ خود اُن کے ہاں پہونچتا، اُس کا تعلق گورنمنٹ سے بھی ہوتا اور پبلک سے بھی! گورنمنٹ کی ہر اچھی بات میں وہ دل کھول کر اُس کی تائید و حمایت اور اشتراک و تعاون کرتا، ساتھ ہی غلط باتوں پر وہ اُس کو ٹوکتا اور سخت تنقید کرتا، مگر دشمنوں اور بدخواہوں کی طرح نہیں بلکہ دوستوں اور ہوا خواہوں کی مانند! اس یقین کے ساتھ کہ حکومت بہرحال ہماری قومی حکومت ہے اور یہ ملک ہمارا وطن اور جنم بھومی ہے، علاوہ ازیں اُس کی کوشش یہ بھی ہوتی کہ ہندو اور مسلمان تہذیبی اعتبار سے بھی مذہب کے معین حدود کے اندر رہتے ہوئے ایک دوسرے سے زیادہ قریب آئیں، جہاں تک زبان کا مسئلہ ہے سرسید بے شبہ ہندی کے سب سے بڑے حامی ہوتے اور مسلمان نوجوانوں کو تاکید کرتے کہ اس زبان میں زیادہ سے زیادہ کمال پیدا کریں۔

یہ تو سرسید کے وہ کام ہوتے جن سے اقلیت کے ساتھ حکومت اور اکثریت کے تعلقات کو بہتر بنانے اور گذشتہ تلخیوں کی یاد کو مٹانے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی، لیکن سرسید کو یقین ہوتا کہ کوئی قوم صرف اسی طرح کی دل کی صفائی کے سہارے

زندہ نہیں رہ سکتی، ایک جمہوری نظام زندگی میں زندہ رہنے اور ترقی کرنے کیلئے ضروری ہے کہ قوم (COMMUNITY) ملکی و وطنی زندگی کے ہر شعبہ میں آگے بڑھے اس مقصد کے پیشِ نظر سر سید مسلمانوں کیلئے ایک دہ سالہ منصوبہ (PLAN) بناتے اور اُس میں وہ یہ طے کرتے کہ پورے ملک میں اس مدت کے اندر اندر انہیں اتنے مسلمان انجینئر، صنعت کار، ڈاکٹر، ایڈوکیٹ، بیرسٹر، جج اور پروفیسر، انگریزی اور ہندی کے بہترین اخبار نویس، مصنف اور ادیب پیدا کرنے ہیں اور اتنے ذہین اور قابل مسلمان نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کرکے انہیں مقابلہ کے امتحانوں میں بٹھانا ہے، اتنے نوجوانوں کو غیر ممالک میں بھیجکر مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم دلانی ہے، اس مدت میں مسلمانوں کے اتنے کارخانے، اتنی فیکٹریاں اور اتنے مِل کھل جانے ہیں تاکہ مسلمان تقسیم کے بعد ملک کی سماجی زندگی میں جو اچھوت بن کر رہ گیا ہے اُس کا یہ مرض دور ہو، جب سماجی زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان ہر جگہ اچھی خاصی تعداد میں نظر آئیں گے تو تقسیم نے ہندوؤں کے دماغ میں غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر مسلمانوں کی نسبت جو اجنبیت کا احساس پیدا کردیا ہے وہ بلاشبہ دور ہوگا اور اُس سے فضا صاف ہوگی، غرض کہ ایک شدید انقلاب کی زد میں آئی ہوئی قوم کو جس کی تعداد پانچ ساڑھے پانچ کروڑ ہو دوبارہ زندہ و توانا بنانے کیلئے سر سید کو کسی ایک پر نہیں بلکہ بیسیوں محاذوں پر کام کرنا ہوتا، تنگ نظر کہتے حکومت کا خوشامدی اور ہندوؤں سے مرعوب ہے، کم حوصلہ ہندو کہتے کہ فرقہ پرست اور متعصب مسلمان ہے مگر وہ کبھی روتا، آہ و فغاں کرتا اور کبھی شیر کی طرح گرجتا اور بجلی کی مانند کوندتا اور سب سے آنکھیں اور کان بند کئے اپنی دُھن میں لگا رہتا اور کسی کی مدح و ذم کی ذرا پروا نہ کرتا! کیونکہ اسے اس حقیقت کا پورا یقین ہوتا کہ تاریخ میں جس کسی شخص نے اپنی قوم میں کوئی عظیم انقلاب پیدا کیا ہے تو اُس نے ہمیشہ قوم سے پہلے گالیاں کھائی اور اُن کے ہاتھوں دُکھ اور صدمے اُٹھائے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انقلاب آفرین شخص نظامِ کہن کے تار و پود بکھیر کر ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اور چونکہ عوام روایت پرست اور رسم و راہِ کہن کے اندھے پجاری ہوتے ہیں اس لئے اُن کا حوصلہ و ظرف اُس دعوتِ انقلاب کو قبول کرنے سے اِبا کر دیتا ہے اور وہ اُس داعیِ انقلاب کی عداوت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، لیکن آخر ایک وقت آتا ہے کہ اس شخص کی مسلسل مساعی کامیاب ہوتی ہیں اور انقلاب پیدا ہوتا ہے، اب یہی عوام جو کل تک اس کے دشمن تھے اس کو اپنا سب سے بڑا محسن تسلیم کر لیتے ہیں!!

بہرحال کتنے ہی اجتماعات اور کنونشن ہوں جب تک مسلمانوں میں یہ لیڈرشپ پیدا نہیں ہوتی اُن کے معاملات و مسائل کی گتھی سلجھ نہیں سکتی!

افسوس ہے عرب ممالک کے دو پیہم سفروں اور بعض اور مصروفیتوں کے باعث "دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات" کا سلسلہ جاری نہیں ۴

۴ رہ سکا، اس سلسلہ میں احباب کے خطوط کثرت سے موصول ہو رہے ہیں اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ ماہ سے یہ مضمون انشاء اللہ پھر شروع ہو جائے گا۔ اور اقساط کو طویل کرکے کوشش کی جائے گی کہ کسی طرح دسمبر تک ختم ہو جائے۔" وعلیہ التکلان"